

دینی مدارس کی سند شہادۃ العالمیہ کی اہمیت اور آئینی حیثیت

مولانا محمد حنیف جالندھری

علم کا اصل مقصد خود شناسی اور خدا شناسی ہے۔ ”علم شریعت“ سے انسان کو حق تعالیٰ شانہ کے احکام اور مخلوق کے حقوق کا پتہ چلتا ہے، اپنے فرائض سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ برصغیر میں دینی مدارس کا قیام ”تحفظ و اشاعتِ دین“ کی تحریک کے طور پر کیا گیا تھا۔ چونکہ انگریزوں کو اسلام کے ساتھ دشمنی تھی اس لیے انھوں نے پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو تو ”خواندہ“ شمار کیا لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیمی اداروں کے فضلاء کو ”ناخواندہ“ کی صف میں رکھا اور اس طرح سے ان پر سرکاری ملازمتوں اور مراعات کے دروازے بند کر کے دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ انگریزوں کا یہ رویہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے تھا، مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی ویسے بھی دشمنی ڈھکی چھپی نہ تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دین کو بھی مٹانا چاہتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ساتھ اس افسوسناک امتیازی سلوک کا سلسلہ جاری رہا اور سولہ سال تک دینی مدارس میں صرف و نحو، منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کی درجنوں کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو ”ناخواندہ“ ہی شمار کیا گیا جن میں بلاشبہ کئی کتابیں ایسی ہوں گی کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے فضلاء صحیح تلفظ کے ساتھ ان کا نام پڑھنے کی صلاحیت سے بھی شاید عاری ہوں۔

یہ افسوس ناک صورتحال ۱۹۸۲ء تک جاری رہی۔ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں بعض علماء کرام نے صدر محترم کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ مدارس دینیہ کے فضلاء کے ساتھ یہ امتیازی سلوک سراسر زیادتی، علوم دینیہ کی توہین اور دینی علوم سے رغبت رکھنے والوں کی قطعی حوصلہ شکنی ہے، اس کا تذکرہ کیا جانا ضروری ہے۔ اگرچہ سرکاری تعلیمی اداروں سے ایم اے عربی یا اسلامیات بلکہ پی ایچ ڈی کرنے والوں کا دینی اداروں کے فضلاء سے موازنہ ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ عصری تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل علوم دینیہ میں مہارت اور تبحر تو کجا قرآن کریم اور احادیث شریفہ کا سادہ ترجمہ اور مطلب بھی بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن چونکہ یہ ان کی اعلیٰ اسناد شمار ہوتی ہیں اس لیے دینی مدارس کی سند کو کم از کم ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا جائے جب کہ اس سے قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے اسی سلسلے میں ”قومی اسمبلی“ میں ایک قرارداد پیش کر چکے تھے جو بعد کی کارروائی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اس اصولی اور جائز مطالبے کو فوری طور پر تسلیم کرنے اور شخصی آرڈر جاری کرنے کی بجائے یہ معاملہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس مسئلے پر غور و خوض کے لیے ملک کی تمام اہم یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز اور وزارت تعلیم کے اعلیٰ حکام کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس پاکستان، وفاق المدارس السلفیہ پاکستان، وفاق المدارس الشیعہ پاکستان اور رابطہ المدارس العربیہ پاکستان کے عمائدین کو اسلام آباد میں دعوت مشاورت دی جس میں دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد تمام ماہرین تعلیم نے متفقہ طور پر مدارس کی سند کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ ۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے ایک نوٹیفیکیشن نمبر 80918ACAD128 کے تحت وفاق المدارس العربیہ کی شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لیا اور اس کا عملی اطلاق تمام تعلیمی اداروں کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔

حاصل یہ کہ دینی مدارس کی سند کو ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دینا کسی کی عنایات خسروانہ کا ثمر نہیں بلکہ نصاب تعلیم کی بنیاد پر اسے تسلیم کیا گیا ہے اور وہ نصاب تعلیم وزارت تعلیم حکومت پاکستان کا منظور کردہ ہے۔ حال ہی میں ایک نئی بحث شروع ہوئی ہے کہ مدارس کی طرف

سے جاری کردہ ایم اے کے مساوی یہ سند انٹرنیشنل کمیشن کی جانب سے عائد کردہ بی اے کی لازمی شرط کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ جس کے پاس ایم اے کے مساوی ڈگری اور تعلیمی قابلیت موجود ہے، اس سے یہ پوچھنا کہ آپ بی اے بھی ہیں یا نہیں؟ بے محل سوال ہے۔ تاہم یہ نکتہ انٹرنیشنل سے قبل اٹھایا گیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہی اس کا صحیح وقت تھا۔ چیف انٹرنیشنل کمشنر سے پوچھا گیا کہ مدارس دینیہ کے ”وفاقوں“ کی جاری کردہ سند کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا ہے جبکہ انٹرنیشنل میں حصہ لینے والوں کے لیے بی اے کی شرط لازمی قرار دی گئی ہے تو کیا دینی مدارس کی جاری کردہ یہ سند انتخابی قواعد و ضوابط کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے؟ چیف انٹرنیشنل کمشنر نے اس کا خود کوئی جواب دینے کی بجائے یہ مسئلہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف بھجوا دیا کہ یو جی سی کو اس سند کی حیثیت پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ یو جی سی نے انٹرنیشنل کمیشن کو جواب دیا کہ یہ سند ہمارے ہاں ۱۹۸۲ء سے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم شدہ ہے لہذا اس کے حاملین اس سند کی بنیاد پر انٹرنیشنل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے بعد چیف انٹرنیشنل کمشنر نے چاروں صوبوں کے ہائی کورٹس کے جسٹس حضرات سے جو صوبائی انٹرنیشنل کمشنر کے طور پر کام کر رہے تھے رائے طلب کی۔

ہائی کورٹس کے ان ججز نے یو جی سی کے نوٹیفیکیشن کی بنیاد پر متفقہ رائے دی کہ دینی اسناد کے حاملین انٹرنیشنل میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد چیف انٹرنیشنل کمشنر نے ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کو دینی مدارس کے فضلاء کے لیے ۱۱۴۲ ویں گزٹ آف پاکستان دینی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کے فضلاء کے لیے سند کی بنیاد پر انٹرنیشنل میں حصہ لینے کا نوٹیفیکیشن جاری کیا۔ واضح رہے کہ موجودہ چیف انٹرنیشنل کمشنر سابق چیف جسٹس آف پاکستان ہیں، گویا عدلیہ سے تعلق رکھنے والی ایک اعلیٰ ترین شخصیت نے یہ نوٹیفیکیشن جاری کیا۔

انٹرنیشنل کمیشن اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے ان واضح اور غیر مبہم نوٹیفیکیشن کے اجراء کے بعد اس مسئلہ میں کوئی ابہام نہ رہا کہ دینی مدارس کے فضلاء انٹرنیشنل میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس نوٹیفیکیشن کے خلاف کسی شخص نے عدالت سے رجوع نہیں کیا، لیکن انٹرنیشنل کے ساتھ آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد یکایک بعض ”فرض شناس“ اور ”محافظین آئین پاکستان“ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے حضرات بی اے کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

کشف حقائق یا چودہ طبق روشن ہونے کی اصل وجہ یہ بنی کہ دینی قوتوں کے خلاف پروپیگنڈے کی فضا میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ کبھی بھی تین فیصد سے زیادہ سٹیٹس نہ لینے والی دینی جماعتیں ملکی سیاست کا رخ بدل کر رکھ دیں گی۔ چنانچہ اب دینی جماعتوں کا یہ مضبوط اتحاد دین و دھن حلقوں کی نظر میں خار کی طرح ٹھٹھک رہا ہے اور وہ دینی جماعتوں کے اس اتحاد کو کمزور اور بے اثر کرنے کے درپے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو سب سے بڑی دلیل دی گئی وہ یہ ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نوٹیفیکیشن میں Purposes for Teaching کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سند تعلیمی و تدریسی مقاصد کے لیے ایم اے کے برابر ہے۔ عوامی نمائندگی اور قانون سازی کے لیے نہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ انٹرنیشنل میں بی اے کی شرط کا حاصل یہ تھا کہ ناخواندہ اور انکوٹھا چھاپ قسم کے پشور سیاستدان اسمبلی میں نہ آئیں بلکہ یہ ایوان تعلیم یافتہ ارکان پر مشتمل ہو جو اسمبلی میں قانون سازی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں، جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے دینی مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی اور اس کے حاملین کو تعلیم یافتہ تسلیم کر لیا تو یہ سوال بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس سند کا اجراء کس مقصد کے لیے کیا گیا ہے؟ نیز اس منطوق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وکلاء اور ایم اے سیاست کرنے والوں کے علاوہ کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اسمبلی کا ممبر بننے کا اہل نہیں رہتا۔ کون نہیں جانتا کہ ایم بی بی ایس کی ڈگری قانون سازی کے لیے نہیں پیشہ طب میں ابتدائی مہارت رکھنے پر دی جاتی ہے، انجینئرنگ میں ایم ایس سی کرنے والا دستور اور قانون کی پیچیدگیوں سے یکسر بے خبر ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ محض بی اے کرنے والے نے قانون سازی کی کون سی تعلیم حاصل کی ہے کہ اسے اس کا اہل قرار دیا جائے، اگر ڈاکٹر، انجینئر اور عام گریجویٹ قانون سازی کی تعلیم و تدریس سے لا تعلق ہونے کے باوجود صرف اس لیے اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے کہ وہ ”تعلیم یافتہ“ ہے تو علمائے دین آپ ہی کے اداروں کی مسلمہ سند رکھنے کے باوجود ”تعلیم یافتہ“ شمار ہونے کی صف سے کیسے نکل گئے؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ارکان اسمبلی کے لیے دنیاوی تعلیم یافتہ ہونے کی بجائے دینی طور پر تعلیم یافتہ ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ

دستور پاکستان میں یہ صراحت موجود ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی۔

اس کا ضروری تقاضا ہے کہ تمام ارکان اسمبلی نہ صرف ضروریات دین سے باخبر ہوں بلکہ قرآن و سنت کا ماہر نہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، بلکہ تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو آئین کی اس شق کے تحت صرف علماء کرام ہی اسمبلی کی رکنیت کے اہل قرار پاتے ہیں۔ اس لیے جو رکن اسمبلی بی اے ہو مگر قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا وہ قرآن و سنت کے تقاضوں کو کب سمجھے گا اور کیا قانون سازی کرے گا؟ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ جب ایک شخص کو عالم، فاضل، ماہر اور علم کی ایک شاخ کا ماسٹر تسلیم کر لیا گیا اور اسے تعلیمی اداروں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تدریس کا اہل قرار دے دیا گیا تو اسمبلی کی رکنیت کے لیے وہ کیوں کر نااہل ہے؟ دیکھیے کوئی گریجویٹ کالج یا یونیورسٹی میں تدریس کا اہل نہیں جب کہ وہ اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے، اس گریجویٹ کو تعلیم دینے والے اساتذہ ”وفاق“ کے سند یافتہ ہو سکتے ہیں، تو یہ کس قدر غیر منطقی بات ہے کہ بی اے پاس شاگرد تو اسمبلی کی رکنیت کا اہل ہو مگر ایم اے پاس استاذ اہل نہ ہو۔ کیا یہ رائے واضح طور پر عصبيت اور جانبداری کی غماز نہیں؟

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۷۳ء میں آئین کے مطابق ”اسلامی نظریاتی کونسل“ کا ادارہ تشکیل دیا گیا تھا جس کا کام نفاذ اسلام کے لیے سفارشات کی تیاری اور قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی میں اسمبلی کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے زیادہ تر تقیر اور ماہر فن علماء کو نامزد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ جج اور سینئر وکلاء بھی اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسمبلی کی رہنمائی کے اہل ہیں تو ممبر اسمبلی بننے کے لیے کیوں نااہل ہیں؟ بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دینے سے پہلے ایسے افراد کا غور و فکر اور مشاورت ضروری ہے جو کتاب و سنت کے ماہر ہوں تاکہ قانون سازی صحیح خطوط پر ہو سکے۔ قرآن و سنت سے ناواقف ارکان اسمبلی پر ”اسلامی نظریاتی کونسل“ کی سفارشات کے ناقدانہ جائزہ کا بوجھ ڈالنا ”تکلیف مالا بطلاق“ ہے اور اگر یہ بوجھ زبردستی ان پر ڈال دیا گیا تو اسلامائزیشن سے متعلق سفارشات کا جو حشر ہو گا وہ بھی چنداں پوشیدہ نہیں۔

معروضات کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ ملک کے مختلف دینی وفاقوں کی جانب سے جاری کردہ سند یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی منظور کردہ اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے۔ ۲۔ اس سند کو قابل قبول قرار دیتے ہوئے الیکشن کمیشن آف پاکستان ایسے تمام امیدواروں کو انتخاب میں حصہ لینے کا اہل قرار دے چکا ہے جو اس سند کے حامل ہیں۔ ۳۔ جو سند تعلیمی و تدریسی مقاصد کے لیے قابل قبول ہے وہ قانون سازی کے لیے بھی قابل قبول ہے۔ ۴۔ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے جب کہ صرف اسی سند کے حاملین قرآن و سنت سے واقفیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ۵۔ اگر ڈاکٹرز، انجینئرز اور دوسری پیشہ وارانہ تعلیم کے حاملین اسمبلی کے ممبر بن سکتے ہیں جن کے پیشوں کا قانون سازی اور عوامی نمائندگی کے ساتھ کوئی تعلیم نہیں تو علماء کرام اسمبلی کے ممبر کیوں نہیں بن سکتے، جن کا قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی سے براہ راست تعلق ہے، اس لیے کہ فقہ اسلامی قرآن و سنت کے قانون ہی کا نام ہے اور علماء کرام کی زندگیاں اسی کی تدریس میں گزرتی ہیں ۶۔ ”اسلامی نظریاتی کونسل“ کی سفارشات کا جائزہ لینے کے لیے کتاب و سنت کے ماہرین کا اسمبلی میں ہونا ضروری ہے۔

آخر میں یہ گزارش بھی ملحوظ رہے کہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں وزیراعظم لیاقت علی خان اور تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں کی موجودگی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرارداد مقاصد پیش کر کے اور منظور کروا کر یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ پاکستان کا سپریم لاء قرآن و سنت ہے اور اس کے لیے ماہرین شریعت کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ ہماری رائے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے طے شدہ امور کو ملیا میٹ کرنے کی سوچ ملک و ملت کے لیے حدود و ضرور رساں ہوگی۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے کھیل کے اصولوں کی پابندی کرے۔ فاول پلے نہ کرے کہ اس کا نتیجہ خود اس کے حق میں خوشگوار ثابت نہ ہوگا۔

☆☆☆